

شمرہ ضمیر

وفاقی اردو یونیورسٹی،

آرٹس سائنس اینڈ ٹیکنالوجی - کراچی

شعراء اردو کے تذکروں میں ادبی تنقید و تاریخ: اجمالی جائزہ

The Tazkra is a genre which was quite famous during the 18th century: A form that talked about all the known and unknown poets of its era and was a great source for portraying the socio-literary trends and traditions of its time, The Tazkra is also a great find for the relations amongst the poets and gives a deep insight into the poetic elements found in their poetry. The paper will talk about most of the principal Tazkray written in the 18th and 19th century and the ones not have been written even in the 16th and 17th centuries.

اردو تذکرہ نگاری اردو کی ایک اہم صنف تھی جو اب متروک ہو چکی ہے۔ البتہ اردو تنقید اور تاریخ کے ابتدائی نقوش انہیں تذکروں میں موجود ہیں۔ تذکروں میں اس دور کے تخلیق نگاروں کی ذاتی، علمی، ادبی اور فنی تخلیقات کی تفصیل، اہمیت اور معیار کے علاوہ فن اور شخصیت وغیرہ کا ذکر صراحت سے ملتا ہے۔ اردو میں تذکرہ نویسی کی ابتداء اور تنقید کی ابتداء فارسی کے ہی زیر اثر ہوئی۔ اردو شاعری کی طرح اردو تذکرہ نگاری بھی فارسی کی رہین منت ہے۔ اردو شعراء کے تذکرے نہ صرف فارسی تذکروں کی طرز پر مرتب ہوئے بلکہ ایک عرصے تک ان کی زبان بھی فارسی ہی رہی جیسا کہ ابوالکلام قاسمی کا خیال ہے ”فارسی زبان میں شاعری کی تاریخ بہت پرانی ہے مگر تنقیدی روایت کا زمانہ درحقیقت پانچویں صدی ہجری سے نویں صدی ہجری تک کا عرصہ ہے“۔^۱ تنقید کے حوالے و اشارے بھی سب سے پہلے ہمیں شعراء کے تذکروں میں ملتے ہیں۔ شعر و شاعری کی محفلیں اس زمانے میں عام تھیں، ان محفلوں میں شعراء جو کلام سناتے تھے تو جہاں ان کی شاعری کو سراہا جاتا وہیں اعتراضات بھی کئے جاتے تھے۔ اس زمانے میں ادبی گروہ بندیاں عام تھیں اور اساتذہ اپنے شاگردوں کو پڑھاتے اور ان پر زبان و بیان یا کوئی فنی اعتراض ہوتا تو عموماً اس کا جواب بھی استاد ہی دیتے تھے لہذا قدیم تذکروں میں اکثر تذکرے ایسے ہیں جن میں مخصوص گروہوں اور شاعروں میں موافقت یا مخالفت ملتی ہے۔ مثلاً نکات الشعراء اردو کے مشہور شاعر میر تقی میر کی تصنیف ہے اور اس میں میر نے بعض اعتراضات کے جواب دیئے ہیں۔ یہ قدیم تذکرے فارسی و اردو زبان میں لکھے گئے ہیں۔ شاعری کے ذوق عام، ادبی گروہ بندیوں اور شاعری کے عام رواج نے اردو میں تذکرہ نگاری کے فن و مشغلے کو تقویت دی۔ بہت سے ادبی ذوق کے حامل افراد ان مشاعروں میں شریک ہونے والے شاعروں کا نام و کلام اور حالات وغیرہ مختصراً جمع کر لیا کرتے تھے۔ کسی نے استاد اور شاگردوں کی ترتیب سے انتخاب کلام کیا تو کسی نے حروفِ تہجی سے اور کسی نے شعراء کے ادبی قد و قامت کو بنیاد بنایا۔ ابتدا میں تذکرہ نویسی جو بالکل ذاتی، شخصی دلچسپی کی شے تھی اور باذوق افراد اپنے ذوق کی تسکین کے لئے لکھتے تھے ایک باقاعدہ رواج اور صنف بنتی چلی گئی اور یوں اردو میں تذکرہ نویسی کی بنیاد پڑی۔ بعد ازاں ان تذکروں میں شاعروں کے حالات، ادبی و فنی باتیں / اصلاحیں بھی آنے

لگیں اور تنقیدی جھلک از خود در آئی اور چونکہ اردو میں تذکرہ نگاری کا رواج بھی فارسی کے اثر سے ہوا ہے چنانچہ اردو شاعری میں بھی تذکرے بالکل اسی طرز سے لکھے گئے ہیں جیسے کہ فارسی شاعروں کے تذکرے لکھے جاتے تھے ”اردو شعراء کے تذکرے اُن سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی اُن میں وہی خوبیاں اور کمزوریاں نظر آتی ہیں جو فارسی تذکروں میں ملتی ہیں“۔^۲

اردو شعراء کے تحریر کردہ ”تذکروں“ کی ادبی تنقید اور ادبی تاریخ کی تاریخی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے گو کہ ابتدائی تذکروں کی زبان فارسی تھی۔ شعراء نے ان تذکروں میں حالات زندگی اور سیرت و کردار نگاری کو سماجی رسم و رواج میں ڈھال کر مختصر اور سرسری انداز میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد انصار اللہ نے قدیم شعراء کے تذکروں کا جدید ادبی تحریکات اور رجحانات سے موازنہ کیا ہے اور ”تذکرہ“ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

تذکرے تاریخ، سوانح یا تنقید کی کتابیں نہیں ہیں اس لیے ان سے ان توقعات کا وابستہ کرنا جو تاریخ، سوانح یا تنقید کے ساتھ مختص ہیں بے جا ہیں۔ ان کا مقصد پڑھنے والے سے مجمل بعض شاعروں کا متعارف کرادینا ہوتا ہے بس۔ لفظ ”تذکرہ“ خود اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ اس کتاب میں کسی کا ذکر کیا جا رہا ہے اور ذکر تو بہر حال ذکر ہے جس میں اگر طولی کلامی ہو تو بھی ربط اور تجزیے کی وہ صورت نہیں ہو سکتی جو دوسری قسم کی تحریروں میں ہوتی ہے۔ ذکر عموماً مختصر ہوتا ہے۔ مفصل تعارف بھی نہیں سمجھنا چاہیے اس لیے تذکروں کا اجمال اور اختصار سے کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔^۳

اردو میں تذکرہ نگاری کا رواج میر و سودا کے عہد ہی سے ہو گیا تھا اور بعض معاصرین مثلاً سراج الدین خان آرزو اور سید امام الدین وغیرہ نے اردو شعراء کے تذکرے مرتب کئے تھے لیکن چونکہ یہ تذکرے آج تک نایاب ہیں، بلکہ ان میں بعض کا وجود بھی مشتبہ ہے۔ البتہ قدیم ترین دستیاب تذکروں کو سامنے رکھ کر ان کی تقدیم و تاخیر کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ اردو شعراء کے تذکروں میں دوستوں، شاگردوں کی معلومات سے اور بغیر کسی مستند ماخذ کے یا پھر اپنے ہی ہم عصر تذکرہ نگاروں کے لکھے ہوئے تذکروں سے حاصل مواد کا طریقہ کار نظر آتا ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

عام طور پر ان تذکروں میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں ایک تو شاعر کے مختصر حالات دوسرے اس کے کلام پر مختصر سا تبصرہ اور تیسرے ان کے کلام کا انتخاب اردو تذکروں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کسی خاص نقطہ نظر، کسی خاص حلقے کی ترجمانی اور مصلحت کے پیش نظر لکھے گئے ہیں۔^۴

شعراء اردو کے قدیم تذکروں میں عموماً زیادہ تر معاصر شعراء کے تذکروں سے منتخب کلام پر زور دیا ہے۔ ”نکات اشعرا“، ”گلشن گفتار“، ”ربیعہ گویاں“ اور دیگر تذکروں میں شعراء کے کلام، زندگی کے مختصر حالات زندگی، کردار و سیرت کو قلمبند کیا گیا ہے۔ ان تذکروں کو ”بیاضی تذکرہ“ کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔ تنقید و تبصرہ کے حوالے سے ناقدین تذکروں کو مختلف اقسام میں پیش کیا ہے۔ البتہ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنے مضمون ”شعراءِ اردو کے تذکرے“ میں ان تذکروں کی جو تقسیم پیش کی ہے وہ نہایت مناسب ہے وہ ان تذکروں کو بہ اعتبار خصوصیات سات قسموں میں تقسیم کرتے

ہیں:

۱۔ وہ تذکرے جن میں صرف اعلیٰ شاعروں کے مستند حالات مع ان کے عمدہ کلام کے انتخاب کر کے جمع کئے گئے ہیں۔

۲۔ وہ تذکرے جن میں قابل ذکر شعراء کو جمع کیا گیا ہے اور مصنف کا مقصد جامعیت اور انتخاب ہے۔

۳۔ وہ تذکرے جن کا مقصد تمام شعراء کے کلام کا عمدہ اور مفصل ترین انتخاب پیش کرنا ہے۔

۴۔ وہ تذکرے جن میں اردو شاعری کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے اور تذکرے کا مقصد اس ارتقائی تاریخ کو قلمبند کرنا ہے۔

۵۔ وہ تذکرے جو ایک مخصوص دور سے بحث کرتے ہیں۔

۶۔ وہ تذکرے جو کسی وطنی یا دہلی گروہ کے نمائندے ہیں۔

۷۔ وہ تذکرے جن کا مقصد تنقید سخن اور اصلاح سخن ہے۔

تذکروں کی غیر واضح تنقید اور حالی کے مقدمہ شعر و شاعری سے شروع ہونے والی ادبی تنقید کے درمیان آزاد کے تنقیدی خیالات قدیم تذکروں میں پرانے تنقیدی رویے میں تبدیلی کا سراغ دیتے ہیں۔ اردو اور فارسی کے قدیم تذکروں میں ایک اہم نکتہ شاعر کی شخصیت ہوتی ہے جو ماحول و حالات کے مطابق پیش کی جاتی ہے۔ حالات سے مراد شاعر کی زندگی کے روز و شب ہوتے ہیں کہ وہ کس ماحول میں زندگی گزار رہا ہے۔ تذکرہ نگار عموماً دوست و احباب سے مل کر اپنے تاثرات مختصر طور پر بیان کر دیتا ہے۔ بقول ڈاکٹر کلیم الدین احمد ان تذکروں میں ”شاعر کی پیدائش اور خاندان ہو یا اس کی تعلیم و تربیت اور اس کی زندگی کی مختلف وارداتیں ہوں، اس کی تصنیفات ہوں، اس کا ماحول ہو، کسی چیز کے بارے میں تشفی بخش مواد نہیں ملتا۔“ اس کے علاوہ تذکروں میں ادبی تنقید کو فروغ دینے میں شعراء کی معاصرانہ چشمک یا باہم رقابت، گروہ بندی اور علاقائی تعصب کو بھی بڑا دخل رہا ہے۔ ولی دکنی، ناصر علی اور مرزا رفیع سودا اور میر تقی میر کے زمانے سے لے کر دورِ حاضر تک اس کے اثرات ادبی تاریخ میں پائے جاتے ہیں۔ اردو کے قدیم ترین اور اہم تذکروں میں مندرجہ ذیل نام لئے جاتے ہیں:

- | | | |
|-----------------|-------------------------|-------|
| ۱) نکات الشعراء | از میر تقی میر | ۱۱۶۵ھ |
| ۲) گلشنِ گفتار | از حمید اورنگ آباد | ۱۱۶۵ھ |
| ۳) تحفۃ الشعراء | از افضل بیگ قاضی | ۱۱۶۵ھ |
| ۴) ریختہ گویاں | از فتح علی حسینی گردیزی | ۱۱۶۶ھ |
| ۵) مخزنِ نکات | از قیام الدین قائم | ۱۱۶۸ھ |
| ۶) تذکرۂ شورش | از غلام حسین | ۱۱۹۳ھ |

اردو تذکرہ نویسی کے ارتقائی سفر سے معلوم ہوتا ہے کہ فنِ تذکرہ نویسی نے نکاتِ شعراء سے جو ارتقائی سفر طے کیا ہے اس کے دو اہم دور ہیں یعنی اٹھارویں صدی کے تذکرے اور انیسویں صدی کے تذکرے۔ پہلا دور قدیم تذکروں کا جبکہ دوسرا دور گلزارِ ابراہیم وغیرہ میں تذکرہ نویسی کے جدید اثرات نظر آتے ہیں۔ تذکروں میں باقاعدہ ادبی تاریخ کا رجحان،

کریم الدین کے تذکرہ شعراء سے پیدا ہوا۔ بعد میں مولانا آزاد کی آپ حیات میں تذکرے کی نسبت ادبی تاریخ کا رنگ گہرا ہے۔

اردو ادب میں تنقیدی شعور اور اردو میں ادبی تنقید کی داغ بیل تذکروں سے پڑی ہے اور تنقیدی روایت کے سلسلے میں سب سے اہم چیز اردو شاعری کے تذکرے ہیں۔ جب ہم ان تذکروں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تذکروں میں مؤلفین نے جو اعتراضات کئے ہیں وہ اس زمانے کے تنقیدی شعور پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ قدیم شعراء تنقیدی شعور کے حامل رہے ہیں۔ چونکہ لکھنے والے زیادہ تر اپنے لئے لکھتے تھے اور اپنی دلچسپی کے لئے لکھتے تھے لہذا ان تذکروں میں انفرادی، ذاتی و شخصی حیثیت کے حامل ہونے کے باوجود کس حد تک ان میں غیر شعوری طور پر وہ عناصر پیدا ہو گئے ہیں جن کو ادبی و فنی یا تنقیدی اہمیت حاصل ہے۔ عموماً ان تذکرہ نگاروں کی تنقیدی بصیرت تاثراتی ہے لیکن جمالیاتی پہلوؤں کو بطور خاص پرکھا جاتا تھا۔ بعض شعراء کسی کے خلاف رائے دینے سے احتراز برتتے تھے البتہ جو کچھ محسوس کرتے ہیں بے لاگ الفاظ میں پیش کر دیتے ہیں۔ تذکروں سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ باوجود تاریخی ہونے کے یہ تذکرے اپنے اندر تنقیدی خصوصیات بھی رکھتے تھے۔ ان تذکروں میں تنقید ہے۔ تنقیدی روایت کی جھلک ان اصلاحوں میں ملتی ہے جس کا رواج ابتدا ہی سے ہمارے شاعروں کے یہاں ملتا ہے۔ بڑے بڑے اساتذہ، سودا، حاتم، میر حسن، مصحفی، انشائی، غالب، ذوق، آتش، ناسخ، انیس، حالی اور اقبال نے مختلف اساتذہ سے اصلاح لی ہے جو تخلیق میں نکھار لانے کے شعور تنقید کی علامت کے طور پر آج تک رائج ہے۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

جن لوگوں کے کان تنقید کے مفہوم سے آشنا ہیں وہ اکثر خفا ہوتے ہیں کہ ہمارے ارد گرد کے تذکروں میں تنقید کا نام نہیں ہے لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس زمانے میں معیار کیا تھے؟ اس زمانے میں ادبی تنقید کا بڑا مقصد یہ تھا کہ زبان کو متروکات اور غیر فصیح الفاظ سے پاک کیا جائے اور اردو شاعری کو فارسی شاعری کے رتبے پر پہنچا دیا جائے۔^۷

ان تذکروں میں موضوع و مواد کو کچھ زیادہ اہمیت حاصل نہیں تھی۔ جس وقت یہ تذکرے مرتب ہو رہے تھے اس وقت فارسی تنقید کے موضوع، مواد مثبت یا منفی ہونا نہیں بلکہ ہئیت الفاظ اور علم بیان لوازم تھے۔ ان تذکروں کا تجربہ کیا جائے تو حظ، اختصار و اعجاز کے باوجود اس میں تنقیدی مواد کی کمی نہیں ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی ان تذکروں میں تنقیدی بصیرت کے اعتبار چار نمایاں خصوصیات یو بیان کرتے ہیں:

۱۔ شاعروں کے کلام پر رائے، ۲۔ فارسی شاعروں سے مقابلہ، ۳۔ کلام پر اصلاح، ۴۔ اس زمانے کی ادبی تحریکوں کے اشارے، اس کے علاوہ بعض تذکرے شعر و شاعری پر فنی مباحث کے بھی مل جاتے ہیں۔^۸

اردو فارسی تذکروں میں شعراء نے انتخاب کلام کرتے وقت کلام پر رائے بھی دی ہے، میر کے تذکرے ”نکات الشعراء“ میں یہ آراء بہت معیاری ہیں اس لئے مولوی عبدالحق نے لکھا ہے کہ ”میر صاحب پہلے تذکرہ نویس ہیں جنہوں نے تنقید سے کام لیا ہے۔“^۹ نکات الشعراء میں میر تقی میر نے ہر شاعر کے مرتبے و مقام کے مطابق مناسب الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ قاری ان آرا کو پڑھ کے شاعر سے متعلق درست رائے قائم کر سکتا ہے۔ میر حسن کے تذکرہ میں بھی ملی جلی آراء ملتی ہیں۔ وہ بڑے شعراء اور اساتذہ کے کلام پر رائے زور دار الفاظ اور رنگین عبارت میں کرتے ہیں۔ مثلاً کلام

سودا کی تعریف سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ میر حسن کے ذہن میں جانچنے اور پرکھنے کا کوئی معیار ضرور تھا جو ان کے تذکرے کے تنقیدی پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں ”گلشن بے خار کا پلہ ان سب میں تنقیدی اعتبار سے بھاری ہے کیوں کہ شیفہ بڑے سے بڑے شاعر کے متعلق بھی صحیح رائے دینے اور اس کی خامیوں کو اجاگر کر کے پیش کرنے سے باز نہیں آتے۔“^{۱۰}

میر، سودا کی شاعری پر ان کی رائے اس قدر نپی تلی ہیں کہ اس کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ نگار نے ان شعراء کے کلام کا مطالعہ بالاستیعاب کیا ہے اور نہایت سوچی سمجھی رائے قائم کی ہے۔ قدیم اردو شعراء کے تذکروں میں شعراء کا تقابلی جائزہ بھی لیا جاتا ہے۔ یہ تقابل صرف فارسی شعراء سے نہیں بلکہ اردو شعراء سے بھی کیا جاتا ہے جس سے شاعر کے کلام کی خصوصیات مزید واضح ہو جاتی ہیں۔ مثلاً میر حسن، محمد حسین کلیم کا مقابلہ بیدل سے کرتے ہیں۔ میر حسن اپنے تذکرے میں میر کا تقابل فارسی شاعر شفا علی سے کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر حسن نے نہ صرف شفا علی کا مطالعہ کیا بلکہ اس کا اثر بھی قبول کیا ہے۔ تقابل یا موازنے کا یہی طرز عمل شیفہ نے بھی اپنے تذکرے میں برتا ہے۔ مثلاً غالب کے ابتدائی دور کے کلام کا بیدل سے تقابل کیا ہے۔

تذکرہ نویسی میں تذکرہ نگار کا کسی شاعر کی شاعری سے انتخاب اس کے تنقیدی ذوق اور رجحان کی نمائندگی کرتا ہے۔ بعض تذکرہ نگار انتخاب کے ساتھ ساتھ ”اصلاح“ کا کام بھی کرتے ہیں۔ اصلاح کا کام استاد کا ہوتا ہے اور استاد کو بھی اصلاح دیتے وقت شاعر کی علیت، قابلیت اور عمر کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اصلاح کلام سے ان تذکروں میں تنقیدی شعور کا پتہ چلتا ہے۔ یہ اصلاح اس زمانے کے مروجہ رواج و اصول کے مطابق تھی۔ ان اصلاحوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شعر پر اصلاح بالعموم لفظی ہوتی تھی معنوی نہیں۔

تذکرہ نگاری کے آخری دور میں حسرت موہانی کے ”تذکرہ اشعرائی“ اور رسالہ ”اردوئے معلیٰ“ کا شمار بھی ادبی اور تنقیدی تذکروں میں ہوتا ہے۔ جس میں انہوں نے شاعروں کے کلام کے معائب و محاسن پر تنقید و ادبی نظر ڈالی ہے اور اپنی سخن منہی اور سخن سنجی کا اظہار کیا ہے۔ مولانا حسرت موہانی قدامت اہل زبان ہی کی زبان کو مستند سمجھتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ زبان کے فرق کی طرف بھی ان کی توجہ رہتی ہے۔ تذکروں میں کی جانے والی تنقید کسی بھی سطح پر فکری یا نظری مباحثہ سمونے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیوں کہ یہ اپنے دور کے مروج معیار کے مطابق ہے اور اس عہد میں محض زبان و بیان اور شعر کے لطف و حظ سے ہی سروکار رکھا جاتا تھا البتہ نئے نئے مضامین کے استعمال اور ان پر تذکرہ نگاروں کی داد ان کے تنقیدی وقوف کا پتہ دیتی ہے اسی لیے کلیم الدین احمد کا یہ کہنا درست ہے کہ ان تذکروں میں ”صاف ظاہر ہے کہ تنقید محض سطحی ہے، ان (تذکروں) کا تعلق زبان، محاورہ اور عروض سے ہے۔“^{۱۱} البتہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تنقید اس زمانے کے اعتبار سے سطحی تھی چونکہ اس وقت تنقید کا معیار یہی تھا۔

ادبی تاریخ کے حوالے سے بھی یہ تذکرے بہت اہمیت رکھتے ہیں کیوں کہ تنقید سے زیادہ ان تذکروں میں تاریخ زیادہ بہتر صورت میں منضبط ہوئی ہے۔ کریم الدین نے اپنے مشہور و معروف تذکرہ ”طبقات اشعرائی“ میں درج کیا ہے:

کتب تذکرے اور طبقات چونکہ شائیں فن تاریخ کی ہیں۔ اس لیے اکثر اہل علم و فضل نے بلحاظ تکمیل فن تواریخ کی اس فن کی کتابیں ہر ایک زبان مروجہ ہیں جس کو یہ خیال خاطر ہوا ہے،

تصنیف کی ہیں۔ خصوصاً زبان عرب اور فارسی میں اس قسم کی بہت ہی تصنیف ہوئی ہیں ان کی دیکھا دیکھی زبان اُردو میں بھی اس طریقہ تصنیف کا استعمال کیا ہے۔^{۱۲}

تذکروں میں اس زمانے کی ادبی تحریکوں کے ذکر سے بھی تنقیدی رنگ و شعور پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً قدام کی ایہام گوئی کی تحریک پر اکثر تذکرہ نگاروں نے اظہار خیال کیا ہے جس سے ان کے ادبی معیار اور ذہنی رجحان کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شعراء ایہام گوئی کو خاص پسند نہ کرتے تھے مثلاً قدرت اللہ قاسم کا تذکرہ مجموعہ نغز، قادر بخش صابر کا گلستان سخن اور میر حسن کے تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعراء ایہام گوئی کو شاعری کا معیار نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا معیار کچھ اور تھا جس سے ان کے تذکروں کا تنقیدی پہلو اُجاگر ہوتا ہے۔

اُردو تذکروں کے جائزہ کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ان تذکروں کے مرتب کرنے کا مقصد شاعروں کے حالات و کلام کا انتخاب تھا لیکن اس کے باوجود تنقیدی پہلو کی جھلکیاں نمایاں ہو گئی ہیں، یعنی اگر ہم ان کو قدیم فن نقد کی روشنی میں دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ اختصار و ایجاز کے باوجود ان میں تنقیدی و تاریخی مواد کی کمی نہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر فرمان صاحب لکھتے ہیں:

”تذکروں کا تاریخی مواد صرف شعراء کے حالات زندگی یا ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ تک محدود نہیں ہے۔ ان میں بعض تحریکوں، ادبی روایتوں، شعری محفلوں، سماجی رسوم اور اخلاقی قدروں کا سراغ بھی ملتا ہے۔“^{۱۳}

اٹھارویں صدی کے تذکرہ نگار میر، گردیزی، قائم، میر حسن، کبھی نرائین، شفق اور حمید اورنگ آبادی وغیرہ تنقیدی شعور سے بیگانہ نہیں ہیں۔ ذوق اور وجدانی تنقید کی کارروائی ان کے تذکروں میں ملتی ہے جو عربی و فارسی کے زیر اثر اس وقت عموماً مروج تھے۔ اس سے زیادہ ان تذکرہ نگاروں سے توقع کرنا ان کے ساتھ نا انصافی ہوگی لیکن انیسویں صدی کے اوائل میں علم و ادب کی روشنی اور فورٹ ولیم کالج کی تحریک نے جہاں برصغیر کے عام ادبی شعور کو متاثر کیا ہے وہاں اس زمانے کے ناقدین یعنی تذکرہ نگاروں کے انداز فکر و اسلوب نگارش پر بھی نمایاں اثر ڈالا ہے۔ چنانچہ گلزار ابراہیم اور طباقہ الشعراء ہند، گلستان سخن، گلشن بے خار، شمیم سخن اور آب حیات کے تنقیدی لب و لہجے میں یہ اثرات اکثر جگہ نظر آتے ہیں اور صاف پتہ چلتا ہے کہ اردو کے ان تذکرہ نگاروں کا تنقیدی شعور، عربی اور فارسی کے قدیم مروج معیاروں اور اٹھارویں صدی کے تذکرہ نگاروں سے اپنی الگ راہ نکالنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اسی لئے کلیم الدین کی یہ رائے درست نہیں معلوم ہوتی کہ ان تذکروں کی اہمیت محض تاریخی ہے، یہ دنیائے تنقید میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ناقدین نے کلیم الدین کی اس رائے کو رد کیا ہے کہ انہوں نے رائے قائم کرتے وقت عصری معیار و پیمانہ تنقید کو مد نظر رکھا ہے جو ان تذکروں کے ساتھ انصاف نہیں۔ چونکہ ان تذکروں میں جو معیار ہیں اس کی اہمیت وقت کے جدید تقاضے تنقید سے کم ہو سکتی ہے، ختم نہیں ہو سکتی۔ لہذا ان میں جو تنقیدی اشارات کے اصول کار فرما نظر آتے ہیں وہ بے وقت نہیں ہیں۔ ان کی اہمیت آج بھی مسلم ہے اور یہ اپنے وقت کے مذاق سخن اور طرز تنقید کے نمائندے نظر آئیں گے اور ان کی قائم و دائم تنقیدی اہمیت کا اعتراف بھی کرنا ہوگا۔ نکات الشعراء و مخزن نکات سے لے کر شمیم سخن و آب حیات تک تنقیدی شعور و اصول کا ایک ارتقائی سلسلہ ہے جو وقت اور ماحول کی مطابقت سے اپنے موضوع کی طرف بڑھتا ہے۔ اس ضمن

میں چند اہم تذکروں کو بتدریج زیر بحث لایا جائے گے۔

(۱) نکات الشعراء: از میر تقی میر

میر نے اپنے تذکرے میں مختلف شعراء پر رائے دی ہیں۔ مجموعی طور پر یہ رائے معیاری نظر آتی ہیں، بقول بابائے اردو مولوی عبدالحق:

یہ بات ہمارے تذکرہ نگاروں میں عام طور سے مفقود ہے وہ اپنے گروہ کے شاعروں کی جا بجا تعریف کرتے ہیں اور حریف گروہ والوں کی تعریف اول تو کرتے نہیں اور جو کرتے ہیں تو بھی دبی زبان سے اور اس میں چوٹ ضرور کرجاتے ہیں۔ میر صاحب کی شان اس سے بہت ارفع تھی وہ کسی جتنے سے تعلق نہیں رکھتے۔ ۱۴

تذکرہ میر میں میر کے لہجے میں تلخی کے ساتھ بے دردی اتر آتی ہے اور وہ سخن فہمی کے علاوہ سیرت و کردار کشی کے مرتکب بھی ہوئے ہیں۔ مثلاً حاتم کے شعر کی اصلاح میں تنقید کے بجائے بد مذاقی معلوم ہوتی ہے۔ میر کے تذکرے میں اس دور کی ادبی گروہ بندی کا بھی سراغ ملتا ہے۔ میر نے ان شعراء کے ذکر میں جانبداری برتی ہے جو ان کے گروہ کے تھے یعنی وہ شعراء جو آرزو سے وابستہ تھے یا جن سے میر کے ذاتی تعلقات تھے اس کے برعکس ان شاعروں کو جو مرزا مظہر سے تعلق میں تھے، ان کی تحقیر کی ہے، مثلاً محمد علی حشمت کے بارے میں لکھا ہے کہ ”بہت کپ بانہ کتا ہے“، محمد یار خاکسار کے بارے میں لکھا ہے کہ مجھے (جلے ہوئے) کباب کی بو آتی ہے لہذا میر صاحب کی اس خامی طبع سے ان کی نقادانہ عظمت کو سخت نقصان پہنچا۔ ان جیسے صاحب کلام، قادر الکلام شاعر کے لئے تذکرے میں تحقیر کا یہ انداز اپنانا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ بے شک کہ نکات الشعراء میں یہ خامیاں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود اس تذکرے نے تنقیدی ذوق کی تربیت میں نمایاں کردار ادا کیا اور تذکرہ نگاروں کے لئے بنیاد کا کام کیا ہے۔

(۲) گلشن گفتار: از حمید اورنگ آبادی

گلشن گفتار کے مصنف حمید اورنگ آبادی ہیں جو فارسی شعراء سے باخبر تھے لیکن اردو شعراء کا کوئی تذکرہ ان کے علم میں نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اردو شعراء کا تذکرہ گلشن گفتار ترتیب دیا۔ اس تذکرے سے معلوم ہوتا ہے کہ شمالی ہند کی طرح دکن میں بھی تذکرہ نگاری کی رسم بارہویں صدی کے وسط میں پڑ گئی تھی۔ اس تذکرہ میں شعراء کے منتخب اشعار کے بجائے پوری غزلیں ملتی ہیں اور صراحت سے شعراء کا مقام بھی متعین کیا گیا ہے۔

(۳) تحفۃ الشعراء: از افضل بیگ

یہ تذکرہ میر اور حمید اورنگ آبادی کے تذکروں کے ساتھ ہی تحریر کیا گیا ہے۔ اس میں ریختہ گو اور فارسی شعراء دونوں شامل ہیں اور ایسے بعض شعراء کے حالات بھی مل جاتے ہیں جو کسی قدیم تذکرے میں تحریر نہیں۔ شعراء کے حالات زندگی مختصر ہیں لیکن رشک و محاسنت سے پاک ہیں۔ تذکرے میں شعراء کی ترتیب کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا اور اردو فارسی شعراء کا ملا جلا کر ذکر کیا گیا ہے۔

(۴) تذکرہ ریختہ گویاں: از سید فتح علی حسینی گردیزی

یہ تذکرہ بھی فارسی زبان میں ہے اور ۹۷۰ھ میں موجود ہے۔ سوانح اور تنقید کے لحاظ سے یہ تذکرہ

کچھ ایسا اہم نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ اس میں انہوں نے کسی اعلیٰ ادبی اُچھ سے کام نہیں لیا بلکہ معاصر تذکروں کے تراجم کو تھوڑا بہت بدل کر ایک نیا تذکرہ مرتب کر دیا ہے۔ سبب تالیف خود فتح علی حسینی نے اپنے دیباچوں میں تحریر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنے ہم عصروں کے تذکرے دیکھ کر تذکرہ لکھنے کی تحریک پیدا ہوئی

(۵) مخزن نکات: از محمد قائم الدین چاند پوری

قائم الدین چاند پوری کے تذکرے کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے پہلی بار اردو شاعری کے ادوار مقرر کئے ہیں اور غیر جانبداری و اصول پسندی سے کام لیا ہے۔ مخزن نکات میں قائم نے میر کے نکات شعراء سے کافی استفادہ کیا ہے۔ کلام کا انتخاب بھی ایک جیسا ہے لیکن وہ گردیزی کی طرح میر کی مخالفت میں غیر متوازن نہیں ہوئے۔ قائم کا تذکرہ اردو شاعری کے ادوار اور اس کی خصوصیات بیان کرتا ہے، گویا تذکرہ نگاری میں ادبی تاریخ کا رجحان بھی پہلی بار قائم چاند پوری کے تذکرے میں ہی ملتا ہے۔

(۶) تذکرہ میر حسن:

یہ تذکرہ بھی دبستان میر سے متعلق ہے مگر میر حسن نے خود کہا ہے کہ انہوں نے قائم کے تذکرے کو بنیاد بنایا ہے۔ اردو شعر کا تیسرا دور ختم ہو رہا ہے لہذا اس تذکرے میں ہمیں تیسرے اور چوتھے دور کے شعراء کی معلومات ملتی ہیں۔ انہوں نے میر و سودا کا تقابلی رتبہ بغیر کسی تعصب کے اس وقت کے مطابق بیان کیا ہے۔ البتہ اس تذکرے میں واقعات کی صحت کا خیال نہیں رکھا گیا ہے اور نہ ہی سنین کا تعین کیا گیا ہے۔

(۷) تذکرہ ہندی از مصحفی اور ریاض الفصحا

تذکرہ ہندی کا تعلق بھی میر کے دبستان سے ہے لیکن اس تذکرے میں مصحفی نے میر کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس تذکرے میں بقول مصحفی صرف معاصرین کا تذکرہ ہے لیکن احتراماً قدام کا ذکر بھی ہے۔ اس تذکرے میں شعراء سے متعلق آراء میں تنقیدی عناصر گہم ہیں لیکن ان کی رائے قابل قدر ہے۔ اسی طرح ریاض الفصحا میں ادبی تاریخ پر خاص توجہ دی گئی ہے۔

(۸) عیار الشعراء سے گلشن بے خار تک:

میر کے دبستان کے رد عمل میں جو تذکرے لکھے گئے ان میں گلشن بے خار وغیرہ خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تذکروں میں بہت سے شعراء اختصار برتنے کی وجہ سے ناراض تھے اور معاصرین کو شکایت تھی کہ بہت سے شعراء کا کہیں بھی ذکر نہیں ہوا۔ لہذا اس جامعیت کی کوشش کا ایک نمونہ خوب چند کا تذکرہ عیار الشعراء ہے جو تقریباً ۳۰ سال میں مکمل ہوا۔ اس میں طوالت کی وجہ سے اغلاط کی کثرت ہے لیکن بے جا طوالت کے باوجود تمام شعراء کے متعلق معلومات جمع ہوئی ہیں۔ اس میں سے صرف عمدہ انتخاب جمع کر کے مفید کام لئے جاسکتے ہیں۔

(۹) تذکرہ عمدہ منتخبہ: از میر محمد خان سرور

بقول اسپرنگر ”یہ عیار الشعراء کا بہتر چر بہ ہے“ اس میں شعرا کا تذکرہ اور نمونہ کلام ترتیب تجبی موجود ہے۔ اس لئے یہ اصل سے بہتر ہے۔ ترتیب تجبی کے باعث ادبی تاریخ کی بہتر صورت پیدا ہوگئی ہے۔ زبان کے ارتقا اور نئے مضامین نیز اصلاح زبان کے مطالعے میں یہ تذکرہ مفید شکل اختیار کر گیا ہے۔

(۱۰) مجموعہٴ نغز: از قدرت اللہ قادری

یہ مجموعہ اگرچہ بکھرے ہوئے مواد سے یکجا کیا گیا ہے لیکن اوّل درجے کے تذکروں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ بہت حد تک عمدہ منتخبہ اور عیار الشعراء سے ماخوذ ہے لیکن ایک مستند اور ضخیم تالیف ہے جبکہ ترتیب بھی بہتر ہے، اس میں محمد شاہ سے شاہ عالم ثانی تک کے عہد کے شعراء کے حالات ملتے ہیں۔ خود آپ حیات میں مولانا آزاد نے زیادہ تر قصے اور انتخابات و لطائف مجموعہٴ نغز سے لئے ہیں۔ اس تذکرے کو جامعیت کے لحاظ سے میر کے نکات الشعراء کی ضد کہا جا سکتا ہے۔

(۱۱) گلشنِ بے خار: از شیفتہ

ڈاکٹر سید عبداللہ اپنی کتاب تذکرہ شعراء اردو میں تحریر کرتے ہیں کہ ”مجموعہٴ نغز سے بھی بہتر اور اغلاط سے پاک نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کا تذکرہ گلشنِ بے خار ہے جو ۱۲۳۸ھ سے شروع ہو کر ۱۲۵۰ھ میں مکمل ہوتا ہے۔ اس تذکرے پر سب سے بڑا اعتراض قطب الدین نے کیا۔ انہوں نے نواب شیفتہ کو صرف دلی کے شعراء کے ذکر کرنے اور دہلی نوازی کے لئے مطعون کیا ہے اور ان پر اشرافیہ پرستی کا الزام لگایا اسی لئے قطب الدین نے نظیر اکبر آبادی کو خاص درجہ دیا ہے۔

(۱۲) شعراء لکھنؤ کا تذکرہ معرکہ زیبا: از سعادت علی خان ناصر

یہ تذکرہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں ایسے شعراء کا ذکر ہے جن کی ”استادی شاگردی معلوم“ ہے۔ دوسرے حصے میں وہ شعراء ہیں جن کی ”استادی شاگردی نامعلوم“ ہے۔ تیسرا حصہ شاعرات سے متعلق ہے۔ شاعروں کی کل تعداد ۸۲۲ ہے۔ اس میں سے ۶۴۳ پہلے حصے میں اور ۱۶۷ دوسرے حصے میں ہیں۔ اصل تذکرہ پہلے حصے کو سمجھنا چاہئے۔ ناصر نے تمام توجہ اسی پر صرف کی ہے۔ اس حصے میں اساتذہ، ان کے شاگردوں اور پھر شاگردوں کے شاگردوں کا ذکر کیا ہے۔ اس طریقہ کار کی وجہ سے شعراء لکھنؤ کی بڑی تعداد کا ذکر اس تذکرے میں آ گیا ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ شعراء لکھنؤ کے سلسلے میں ”خوش معرکہ زیبا“ سے بہتر کوئی ماخذ نہیں ہے۔ ناصر نے اپنے ہم عصر شعراء اور ایسے شعراء جو ان سے کچھ عرصہ قبل گزر چکے تھے، کے بارے میں ایسی معلومات پیش کی ہیں جو کسی دوسری جگہ نہیں ملتیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس تذکرے میں تقریباً ۱۰۰ ایسے شعراء کے تراجم ہیں جن کا نام تک کسی دوسرے تذکرے یا کتاب میں نہیں ہے۔ لکھنؤ کے شعراء کی اتنی بڑی تعداد سے واقفیت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہی تذکرہ ہے۔

قدیم تذکروں کا ایک عیب ڈاکٹر سید عبداللہ یہ بتاتے ہیں کہ ان میں سنین واقعات کا تعین نہیں ہوتا تھا اور اشخاص کے واقعات زندگی کی تحقیق بھی مکمل نہ ہوتی تھی۔ کبھی کبھی شعراء گروہ کی طرفداری یا مخالفت میں اتنا جھک جاتے تھے کہ انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا تھا۔ نئے تذکروں میں ان نقائص کی اصلاح کی طرف خاص توجہ ہوئی، ان نئے تذکروں میں ارتقاء کی تین منزلیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۱۔ تذکرہ نگاری میں تحقیق و تاریخی رجحان کی ترقی۔

۲۔ اردو زبان کی لسانیاتی تحقیق اور مختلف ادوار میں مختلف اصنافِ سخن کی ترقی کے اسباب اور فن تذکرہ نویسی کی تنقید وغیرہ۔

۳۔ تیسری منزل میں تذکرہ نویسی کو ادبی تاریخ کے قالب میں ڈھالنے کا رجحان رکھا جاسکتا ہے۔
 طبعہ دوم کے جدید تذکروں میں گلزارِ ابراہیم اور گلشنِ ہند پہلی منزل سے متعلق ہیں۔ گارساں دتاسی، کریم الدین اور صہبائی کے تذکرے دوسری منزل کے نمائندے ہیں اور آبِ حیات آزاد تیسری منزل کے رجحانات کا آئینہ دار ہے۔
 ابراہیم خان کے تذکرے گلزارِ ابراہیم میں قدیم و جدید اسلوب تدوین کا اجتماع نظر آتا ہے۔ اس تذکرے میں بالخصوص شعراء کی تاریخ وفات کا تعین مسلم ہے، اسی لئے یہ اردو کے بہترین تذکروں میں شمار کرنے کے قابل ہے اور تاریخ ادب کا بہتر شمار اس تذکرے سے کیا جاسکتا ہے۔ گلشنِ ہند ایسا تذکرہ ہے جو گلکراسٹ کی تحریک اور فرمائش سے لکھا گیا تھا اور فورٹ ولیم کالج کے آثارِ ادبیہ میں سے ہے۔ علی لطیف کا یہ تذکرہ گلزارِ ابراہیم کی ایک اصلاح یافتہ شکل ہے۔ دتاسی کا بیان ہے کہ یہ شعراء اردو کا پہلا تذکرہ ہے جس کی زبان اردو ہے۔ اس تذکرہ پر یہ اعتراض ہے کہ یہ خالصتاً دلی والوں کا تذکرہ ہے لیکن بقول ڈاکٹر سید عبداللہ اس میں جانب داری نمایاں نہیں ہوتی۔

امام بخش صہبائی نے دہلی کالج کے زیرِ اہتمام جو تذکرے تصنیف کیے ہیں ان میں خلاصہ دواوین شعراء کی خاص بات اس کے شروع میں لکھا مقدمہ ہے جس میں اردو شعراء پر تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔ اس تنقید میں جدید رنگ پایا جاتا ہے جبکہ گلستانِ سخن کے شروع میں تبصرہ ہے اور تصنیف تذکرہ کے مقاصد لکھے ہیں۔ ان میں ایک مقصد یہ لکھا ہے کہ اس میں زبان اردو کی تحقیق اور شاعری کی ترقی سے متعلق بحث ہے۔

اردو تذکروں کے سلسلے میں گارساں دتاسی کی خدمات میں قابلِ ذکر ہیں۔ گارساں دتاسی نے پہلی بار اردو تذکروں پر مجموعی اور تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے ان سے استفادہ کیا ہے اور تذکرہ کریم الدین میں بھی اسی کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ البتہ تذکرہ کریم میں شاعری کے ادوار، طبقات، تاریخ اور تذکرے کا فرق بتایا گیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم اس تذکرے کو بیاگرافیکل ڈکشنری کہہ سکتے ہیں جو اردو شاعری کی تاریخ کی باقاعدہ تدوین کا پہلا نمونہ ہے۔ جدید تذکروں میں مولانا محمد حسین آزاد کا تذکرہ آبِ حیات، تاریخ ادب اور تذکرہ نویسی میں ایک انقلاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ حیات ایک ایسی زندہ جاوید کتاب ہے جو برصغیر کے کم و بیش دو سو سالہ عرصے پر محیط ثقافتی عہد کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ جس میں برصغیر کی تہذیب و ثقافت کے زندہ آثار بھی  ہیں اور وقت کے ساتھ بہتی اور نئے روپ بھرتی لسانی اور تہذیبی صورتِ حال بھی اپنے جلوے دکھاتی نظر آتی ہے۔ کم و بیش دو صدیوں پر محیط اس عہد کے باسیوں کی زبان، مزاج اور طور و اطوار، رہن سہن، ماحول اور حالات جیسے خوبصورت نمونے آپ حیات میں ملتے ہیں قدیم تذکرے اس طرح کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ زبان کس طرح اپنا چولا تبدیل کرتی ہے اور تہذیبی و ثقافتی اور سیاسی و تاریخی حوالے کس طرح زبان و ادب پر اثر انداز ہوتے ہیں آپ حیات اس کی ارتقائی کیفیت کی ایک بے مثال تاریخ اور ادبی دستاویز ہے۔^{۱۹}

آزاد نے آپ حیات کو پانچ ادوار میں تقسیم کر کے ہر دور کی خصوصیات و شعراء کے کلام و حالات پر تبصرہ کیا ہے۔

۱۔ ولی اور ان کا عہد

۲۔ شاہِ حاتم، خان آرزو وغیرہ کا دور

۳۔ مظہر جانِ جاناں، میرسوز، میر تقی میر، سودا، درد کا دو

۴۔ مصحفی، سید انشاء، جرأت کا عہد

۵۔ ناسخ، آتش، شاہ نصیر، مومن، ذوق، غالب کا عہد

پہلے دور کے متعلق خود آزاد کہتے ہیں:

ان بزرگوں کے کلام میں تکلف نہیں جو کچھ آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں اور اس سے دل میں جو خیالات گزرتے ہیں وہی زبان سے کہہ دیتے ہیں۔۔۔ دور دور کی تشبیہیں، نازک استعارے نہیں بولتے، اسی واسطے اشعار بھی صاف اور بے تکلف ہیں۔^{۱۷}

سب: حیات میں زیادہ بہتر تنقیدی شعور موجود ہے۔ ہر دور کے شعرا کی خصوصیات آزاد نے زیادہ صراحت کے ساتھ بیان کی ہیں۔ یہ درست ہے کہ آزاد نے کہیں کہیں غیر جانبداری نہیں برتی۔ اپنے مدوح شاعر کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اگر آزاد اس کے مضامین اور فنی نزاکتوں سے خود کو تہی پاتے ہیں تو اس کی کو اپنی انشا پر دازی سے پورا کر دیتے ہیں۔ البتہ آزاد کا تنقیدی شعور اپنے زمانے سے ہم آہنگ ہے۔ مثلاً آب حیات میں قائم پانچویں اور آخری دور جس میں شاہ نصیر، ناسخ، ذوق، مومن و غالب وغیرہ شامل ہیں، کے فن اور فکر کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس دور میں دو قسم کے باکمال لوگ نظر آئیں گے، ایک وہ کہ جنہوں نے اپنے بزرگوں کی پیروی کو دین و آئین سمجھا، یہ اُن کے باغوں میں پھریں گے۔ پرانی شاخیں، زرد پتے کاٹیں چھانٹیں گے اور نئے رنگ نئے ڈھنگ کے گلدستے بنا کر گلدانوں سے طاق و ایوان سجائیں گے۔ دوسرے وہ عالی دماغ جو فکر کے دغاں سے ایجاد کی ہوائیں اڑائیں گے اور برج آتش بازی کی طرح اس سے عالی رتبہ پائیں گے۔^{۱۸}

مختلف ادوار پہ مجموعی تبصروں کے بعد آزاد نے ہر دور کے نمائندہ شاعروں کی زندگی و کلام پر گفتگو کی ہے۔ آزاد اردو تنقید کے بانیوں میں سے ہیں۔ ان سے پہلے آب حیات کے طرز کی تنقید بھی نظر نہیں آتی۔ آب حیات پہ یہ عمومی اعتراض ہے کہ اس تذکرے میں واقعات کی صحت درست نہیں، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جب انجمن ترقی اردو نے تحقیق و تذکرہ نویسی میں قدیم تذکرے شائع کرنے شروع کئے تو معلوم ہوا کہ آب حیات کے بعض بیانات درست نہیں ہیں۔ مولوی عبدالحق، مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی، پروفیسر محمود خان شیرانی، آب حیات کے شارحین میں سے ہیں۔ ان نقادوں کے خیال میں آزاد کے مذہبی عقائد نے انہیں غیر جانبدار نہیں رہنے دیا۔ انہوں نے میر تقی میر کی جانب غلط باتیں منسوب کر دی ہیں البتہ ڈاکٹر سید عبداللہ کا خیال ذرا مختلف ہے۔ ”یہ تمام تر قابلِ قدر تنقیدی اور اصلاحی لائق ستائش سہی لیکن جس قدر انسانی علم ترقی کرتا جاتا ہے اور نئی نئی باتیں دریافت ہوتی جاتی ہیں اسی طرح پرانی کتب میں اصلاح و ترمیم کی گنجائش زیادہ ہوتی جاتی ہے۔“^{۱۸}

مختصر یہ کہ اردو شاعری، و تذکرہ نگاری اور تاریخ ادب کے سلسلے میں ”آب حیات“ ایسی کڑی ہے کہ جس کے ذکر کے بغیر اردو تنقید، ادب و تاریخ کا کوئی حوالہ مکمل نہیں ہوتا۔

حوالہ جات

- ۱۔ ابوالکلام قاسمی، مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایات، اردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۰۹
- ۲۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، نومبر ۱۹۷۲ء، ص ۷۳
- ۳۔ محمد انصار اللہ، ڈاکٹر، شعرائے اردو کے اولین تذکرے:، لیتھوکلر پرنٹرس، علی گڑھ، ۱۹۷۸ء، ص ۸
- ۴۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقائی، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ص ۹۲
- ۵۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، شعرائے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن، مکتبہ خیابان ادب، لاہور، ۱۹۵۲ء، ص ۱۵۹
- ۶۔ کلیم الدین احمد، اردو تنقید پر ایک نظر، ادارہ فروغ اردو لکھنؤ، ۱۹۵۷ء، ص ۱۹
- ۷۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، شعرائے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن، ص ۲۱۶
- ۸۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقائی، ص ۱۰۰
- ۹۔ فتح علی حسینی گردیزی، تذکرہ ریختہ گویاں، دیپاچہ، ڈاکٹر مولوی عبدالحق، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۳۳ء، ص ۱۲
- ۱۰۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقائی، ص ۱۱۳
- ۱۱۔ کلیم الدین احمد، اردو تنقید پر ایک نظر، ص ۲۸
- ۱۲۔ کریم الدین، طبقات الشعراء ہند، مجلس ترقی ادب لاہور، سن، دیپاچہ، ص ۱
- ۱۳۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، شعرائے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن، ص ۹۲
- ۱۴۔ تذکرہ ریختہ گویاں۔ مقدمہ، مرتبہ عبدالحق۔ انجمن ترقی اردو۔ مطبوعہ ۱۹۳۳ء، ص ۱۲
- ۱۵۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، شعرائے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن، ص ۵۲
- ۱۶۔ مقدمہ آب حیات۔ ابراہیم عبدالسلام، ص ۱۹
- ۱۷۔ محمد حسین آزاد، آب حیات، اسلامیہ اسٹیم پریس، لاہور، ۱۸۸۰ء، ص ۳۳
- ۱۸۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، شعرائے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن، ص ۸۲